وصی شاہ

کاش مَیں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں چڑھاتی مجھ کو
اور بے تابی سے فرقت کے خزاں لمحوں میں
تُو کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو
میں ترے ہاتھ کی خوشبو سے مہک سا جاتا
جب کبھی موڈ میں آکر مجھے چوما کرتی
تیرے ہونٹوں کی میں حدت سے دہک سا جاتا
کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا
کاش میں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا

ماں کے نام

یہ کامیابیاں عزت یہ نام تم سے ہے
خُدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے
تمہارے دَم سے ہیں مرے لہُو میں کھِلتے گُلاب
مرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
کہاں بساطِ جہاں اور میں کمسِن و ناداں
یہ میری جیت کا سب اہتمام تم سے ہے
جہاں جہاں ہے مری دشمنی سبب میں ہوں
جہاں جہاں ہے مرا احترام تم سے ہے

www.paksociety.com

سوچتے ہیں تجھے وضو کر کے
یوں ترا احترام کرتے ہیں

فہرست

www.paksociety.com

”دُعا کیجئے گا“

وہ اُس شام بہت اُداس تھا۔ میں نے پوچھا تم نے یہ پھول کس کیلئے خریدے ہیں وہ کچھ بتاتے بتاتے رہ گیا۔ میری تیز سماعت اس کی بے لفظ گفتگو نہ سن سکی۔ میں نے جھنجلا کر کہا وصی تمہیں کیا ہو گیا ہے، نہ بول رہے ہو نہ چپ ہو! مجھے ملنے آئے ہو یا تنگ کرنے۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر ایک جملہ اُبھرا۔ ”تابش بھائی ایک سلسلہ بن رہا ہے دُعا کیجئے گا“ میں نے سوچا وصی اُدھوری بات میں شاید ”کسی کی زُلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا“ کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔ اِس جملے کے بعد خاموشی کا وقفہ طویل ہو گیا ادھر میرے ڈرائینگ روم کی کھڑکی سے چاند دکھائی دینے لگا۔ ماحول کی خاموشی میں۔ میں نے ایک بار پھر کنکر پھینکا۔۔۔ وصی کوئی بات کرو۔۔۔ اب وہ اس کیفیت میں داخل ہو چکا تھا جب آدمی کھل کر بات کرتا ہے۔ کہنے لگا تابش بھائی آپ میری بات کو غلط سمجھے، میری منزل وہ نہیں جو میری عمر کے نوجوانوں کی ہوا کرتی ہے۔ بلکہ میں ایک خوشی کے بھنور میں غوطے کھا رہا تھا۔ اس لئے آپ سے مکالمہ کا آغاز نہ کر سکا۔ اب میں اس چپ کی تہہ سے نکل آیا ہوں، میں شاید اپنے دُکھ تو کیا اپنی خوشی میں بھی کسی کو شریک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں نے پوچھا وصی اب بتاؤ بھی کیا ایسی خوشی ہے جس سے تم اتنے "Excited" ہو رہے ہو۔۔۔۔ اس نے کھڑکی کے قریب آتے ہوئے چاند کو دیکھا، پھر ان پھولوں کو سونگھا جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ پھر گویا ہوا۔۔۔۔ میں نے ایک ٹی وی سیریل کا آئیڈیا پاکستان آرمی کو دیا ہے یہ سیریل پاک فوج کے کمانڈوز کے گرد گھومے گا۔۔۔۔ یہاں تک کہہ پایا تھا کہ پھر وہی جملہ گونجا۔۔۔ ”تابش بھائی بس آپ دُعا کیجئے گا۔۔۔“ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس مار دھاڑ کے زمانے میں یہ نوجوان کہاں سے آ گیا جو بار بار ”دُعا“ کا لفظ استعمال کر رہا ہے۔ جس کے بے ساختہ پن میں دُعاؤں کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔ مجھے اس شام یہ اندازہ ہو گیا کہ وصی

ضرور کسی کارنامے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور مجھے یقین ہے اس نے کام کیا تو وہ بہت آگے جائے گا۔ وہ شام گزر گئی مگر "دعا کیجئے گا" کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے۔

میں ایک شام دن بھر کی تھکن سمیٹے گھر پہنچا تھا۔ میری بیگم نے بتایا آج رات پاکستان ٹیلیویژن پر وصی کے ڈرامے "آنگن" کی پہلی قسط ٹیلی کاسٹ ہو رہی ہے۔ میں ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا آنکھیں سکرین پر جم گئیں۔۔۔ آخر میں "دعا کیجئے گا" کے الفاظ رس گھولنے لگے۔ پہلی قسط کے اختتام پر میں بہت دور نکل گیا۔۔۔ میرے لئے اس ڈرامے کا "خوشی بھرا صدمہ" برداشت کرنا اس لئے آسان تھا کہ میں وصی کو اس کی روح تک جانتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ "جو بچہ رات کو بلاناغہ ماں کے پاؤں دبا کر سونے کا عادی ہو زمانہ اس کے پاؤں پڑا کرتا ہے" وصی کے سیریل سے اسے جو عزت ملی وہ قابلِ رشک ہے۔ وہ جہاں بھی جا رہا ہو لوگ اسے پہچانتے اور اپنی محبت پیش کرتے ہیں میں نے سنا ہے کہ کئی آنچل، کئی آنکھوں کے کنارے اس کے لئے تر ہوتے ہیں۔ کئی خون سے لکھے ہوئے خط اسے روزانہ ڈاک سے ملتے ہیں، لیکن وہ کہیں آنکھ بھر کے نہیں دیکھتا۔ یہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی کو بہت چاہنے والے ہوں اور وہ محبت میں توحید کا قائل ہو مگر وصی اب بھی اسی کا ہے جس کا ان دنوں میں تھا جب اس کا کوئی نہیں تھا۔ میرے خیال میں وصی کو سچی شہرت اور سچی محبت ملی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اندر وہ انکسار برقرار ہے جس نے اسے اس مقام تک پہنچایا ہے میں جب یہ سوچتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس نے کیسے حاصل کر لیا تو میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ اس کے پس پشت ضرور کوئی روحانی طاقت موجود ہے۔

جن دنوں "آنگن" سیریل چل رہا تھا، مجھ سے یہ کہا گیا وصی تمہارا دوست ہے اس سے "کنگن" لکھوا کر دو۔۔۔ میں نے ایک دو بار ٹال مٹول سے کام لیا، اپنی سنیارٹی کا زعم آڑے آیا لیکن میں مروت کیا نہ کرتا۔ اس سے نظم لکھوا کر دینا پڑی۔ ایک دوست نے اس سے کہا وصی مجھے "کنگن" نظم لکھ کر دو۔۔۔ وصی نے نظم لکھ دی۔ دوسرے دن وہ دوست موبائل فون ہاتھ میں لئے آ دھمکا، بولا وصی میاں! جانتے ہو یہ موبائل کہاں سے آیا ہے؟

وہ کہنے لگا۔۔۔ خریدا ہو گا اور کہاں سے آنا ہے؟ دوست کہنے لگا۔۔۔ ایک لڑکی نے فرمائش کی تھی کہ اگر تم وصی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نظم "کنگن" لا دو تو میں تمہیں ایک موبائل گفٹ کروں گی۔ وصی اور میں اس کے کارنامے پر حیران ہو رہے تھے۔ وصی کی شاعری واقعی ایسی ہے کہ محبت کرنے والے اس سے اپنا الو سیدھا کر سکتے ہیں۔

آج کے دور میں کہ جب سیریل چل رہی ہوتی ہے۔ لوگوں میں اس کے بڑے چرچے ہوتے ہیں۔ ادھر سیریل ختم ہوئی۔ ادھر شہرت کا دروازہ بند ہو گیا۔ لیکن وصی کے معاملے میں ایسا نہیں۔ میں ایک صاحب سے وصی کا غائبانہ تعارف کرا رہا تھا۔ مگر وہ اسے پہچان نہیں پا رہے تھے۔ پھر میں نے "کنگن" کا حوالہ دیا تو چونک پڑے کہنے لگے اس نظم کی مجھ سے فرمائش کی گئی ہے۔ ایک دوست نے خط لکھا ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو "کنگن" نظم کہیں سے پیدا کرو۔۔۔ نظم نہ ملی تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

وصی کو جتنی محبت مل رہی ہے۔ اس میں اس کے ڈرامے سے زیادہ اس کی سچی شاعری کا دخل ہے۔ وہ میری طرح بہت زیادہ مصرعہ سازی کے چکر میں نہیں پڑتا۔ اور نہ ہی وہ کتابوں کے انبار لگانے کا قائل ہے۔ وہ کافی دیر تک چپ کے بھنور میں رہتا ہے۔ پھر وہ محسوس کرتا ہے جب وہ کلام کرتا ہے، شاعری کرتا ہے۔

وصی کے بارے میں یہ باتیں تحریر کرتے ہوئے میں بے ربط ہو رہا ہوں مشکل دو تین جملے لکھ پاتا ہوں کہ پھر وہی آواز کان میں گونجنے لگتی ہے۔ "تابش بھائی! ایک مسئلہ بن رہا ہے آپ دعا کیجئے گا" میں کہتا ہوں وہ مسئلہ اس کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے آپ اسے پڑھیں۔ نظمیں پڑھیں اور کہیں "آپ محبت کرتے ہیں" میں وصی کے لئے دعا کرتا ہوں۔

عباس تابش

دو شعر

یہ بھی ممکن ہے کسی روز نہ پہچانوں اُسے
وہ جو ہر بار نیا بھیس بدل لیتا ہے
بارہا مجھ سے کہا تھا مرے یاروں نے بھی
عشق دریا ہے جو بچوں کو نگل لیتا ہے

کنگن

کاش میں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں چڑھاتی مجھ کو
اور بے تابی سے فرقت کے خزاں لمحوں میں
تو کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو
میں ترے ہاتھ کی خوشبو سے مہک سا جاتا
جب کبھی موڈ میں آکر مجھے چوما کرتی
تیرے ہونٹوں کی میں حدت سے دہک سا جاتا
رات کو جب بھی تو نیندوں کے سفر پر جاتی

مرمریں ہاتھ کا اک تکیہ بنایا کرتی
میں ترے کان سے لگ کر کئی باتیں کرتا
تیری زلفوں کو ترے گال کو چوما کرتا
جب بھی تو بندِ قبا کھولنے لگتی جاناں
اپنی آنکھوں کو ترے حسن سے خیرہ کرتا
مجھ کو بے تاب سا رکھتا تری چاہت کا نشہ
میں تری روح کے گلشن میں مہکتا رہتا
میں ترے جسم کے آنگن میں کھنکتا رہتا
کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا
کاش میں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا

تم مری آنکھ کے تیور نہ بھلا پاؤ گے
ان کہی بات کو سمجھو گے تو یاد آؤنگا

ہم نے خوشیوں کی طرح دکھ بھی اکٹھے دیکھے
صفحۂ زیست کو پلٹو گے تو یاد آؤنگا

اس جدائی میں تم اندر سے بکھر جاؤ گے
کسی معذور کو دیکھو گے تو یاد آؤنگا

اسی انداز میں ہوتے تھے مخاطب مجھ سے
خط کسی اور کو لکھو گے تو یاد آؤنگا

میری خوشبو تمہیں کھولے گی گلابوں کی طرح
تم اگر خود سے نہ بولو گے تو یاد آؤنگا

سرد راتوں کے مہکتے ہوئے سناٹوں میں
جب کسی پھول کو چومو گے تو یاد آؤنگا

آج تو محفلِ یاراں پہ ہو مغرور بہت
جب کبھی ٹوٹ کے بکھرو گے تو یاد آؤنگا

اب تو یہ اشک میں ہونٹوں سے چُرا لیتا ہوں
ہاتھ سے خُود اِنہیں پونچھو گے تو یاد آؤنگا

شال پہنائیگا اب کون دسمبر میں تمہیں
بارشوں میں کبھی بھیگو گے تو یاد آؤنگا

حادثے آئینگے جیون میں تو تم ہو کے نڈھال
کسی دیوار کو تھامو گے تو یاد آؤنگا

اس میں شامل ہے مرے بخت کی تاریکی بھی
تم سیہ رنگ جو پہنو گے تو یاد آؤنگا

سمندر میں اترتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تری آنکھوں کو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تمہارا نام لکھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تیری یادوں کی خوشبو کھڑکیوں میں رقص کرتی ہے
ترے غم میں سلگتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
میں ہنس کے جھیل لیتا ہوں جدائی کی سبھی رسمیں
گلے جب اُس کے لگتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

نہ جانے ہو گیا ہوں اس قدر حساس میں کب سے
کسی سے بات کرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

وہ سب گزرے ہوئے لمحات مجھ کو یاد آتے ہیں
تمہارے خط جو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

میں سارا دن بہت مصروف رہتا ہوں مگر جونہی
قدم چوکھٹ پہ رکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

ہر اک مفلس کے ماتھے پر الم کی داستانیں ہیں
کوئی چہرہ بھی پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

بڑے لوگوں کے اونچے بدنما اور سرد محلوں کو
غریب آنکھوں سے تکتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

ترے کوچے سے اب میرا تعلق واجبی سا ہے
مگر جب بھی گزرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

ہزاروں موسموں کی حکمرانی ہے مرے دل پر
وصی میں جب بھی ہنستا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تمہیں جاناں اجازت ہے

تمہیں جاناں اجازت ہے۔۔۔۔!
کہ ان تاریک راہوں پر
تھکن سی خود میں پاؤ تو
اندھیروں سے کبھی دِل ڈول جائے
تھک سی جاؤ تو
مرے جلتے ہوئے لمحوں
مرے کنگال ہاتھوں سے چھڑا کے اپنے ہاتھوں کو
فضا کی نغمگی سے تم نئے گیتوں کو چُن لینا
حسیں پلکوں کی نوکوں پر نئے کچھ خواب بُن لینا

کوئی گر پوچھ لے میرا تو اُس سے ذکر مت کرنا
مرے جیون کی جلتی دوپہر سے بے غرض ہو کر
تم اپنی چاندنی راتوں میں جگنو پالتی رہنا
مری تنہائیوں کی وحشتوں کی فکر مت کرنا
تمہیں اس کی اجازت ہے
مرے سب خط جلا دینا
مرے تحفوں کو دریا میں بہانا یا دبا دینا
مری ہر یاد کو دل سے کھرچنا اور مٹا دینا
تمہیں بالکل اجازت ہے
کہ جب چاہو بھلا دینا
مگر اتنی گزارش ہے
اگر ایسا نہ ہو جاناں
تو اچھا ہے۔۔۔!

اُس کے ہاتھوں سے جو خوشبوئے حنا آتی ہے
ایسا لگتا ہے کہ جنت سے ہوا آتی ہے

چومنے دار کو کس دھج سے چلا ہے کوئی
آج کِس ناز سے مقتل میں قضا آتی ہے

نہ کبھی کوئی کرے تجھ سے ترے جیسا سلوک
ہاتھ اُٹھتے ہی یہی لب پہ دُعا آتی ہے

تیرے غم کو یہ برہنہ نہیں رہنے دیتی
میری آنکھوں پہ جو اشکوں کی ردا آتی ہے

اُس کے چہرے کی تمازت بھی ہے شامل اِس میں
آج تپتی ہوئی ساون کی گھٹا آتی ہے
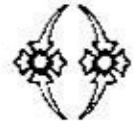
گھومنے جب بھی ترے شہر میں جاتی ہے وفا
بین کرتی ہوئی واپس وہ سدا آتی ہے

ہے وہی بات ہر اک لب پہ بہت عام یہاں
ہم سے جو کہتے ہوئے ان کو حیا آتی ہے

قلم ہو تیغ ہو تیشہ کہ ڈھال مت چھینو
کبھی کسی سے کسی کا کمال مت چھینو

خوشی اِسی میں اگر ہے تو ہر خوشی لے لو
یہ دُکھ یہ درد یہ حُزن و ملال مت چھینو

اِسی خلش کے سبب پھر مجھے ابھرنا ہے
خُدا کے واسطے عہد زوال مت چھینو

میں چھوڑ سکتا نہیں ساتھ استقامت کا
مری اذان سے جوشِ بلال مت چھینو

ابھی کتاب نہ چھینو تم اِن کے ہاتھوں سے
ہمارے بچوں کا حُسن و جمال مت چھینو

ہماری آنکھ میں یادوں کے زخم رہنے دو
ہمارے ہاتھ سے پھولوں کی ڈال مت چھینو

ابھی بجھاؤ نہ کینڈل نہ کیک کاٹو ابھی
کچھ اور دیر مرا پچھلا سال مت چھینو

LAST CALL

کل ہمیشہ کی طرح اُس نے کہا یہ فون پر
میں بہت مصروف ہوں مُجھکو بہت سے کام ہیں
اِس لئے تم آؤ مِلنے میں تو آسکتی نہیں
ہر روایت توڑ کر اِس بار میں نے کہہ دیا
تم جو ہو مصروف تو میں بھی بہت مصروف ہوں
تم جو ہو مشہور تو میں بھی بہت معروف ہوں
تم اگر غمگین ہو میں بھی بہت رنجور ہوں
تم تھکن سے چور تو میں بھی تھکن سے چور ہوں

جانِ من ہے وقت میرا بھی بہت ہی قیمتی
کچھ پرانے دوستوں نے ملنے آنا ہے ابھی
میں بھی اب فارغ نہیں مجھ کو بھی لاکھوں کام ہیں
ورنہ کہنے کو تو سب لمحے تمہارے نام ہیں
میری آنکھیں بھی بہت بوجھل ہیں سونا ہے مجھے
رتجگوں کے بعد اب نیندوں میں کھونا ہے مجھے
میں لہو اپنی اناؤں کا بہا سکتا نہیں
تم نہیں آتیں تو ملنے میں بھی آسکتا نہیں
اس کو یہ کہہ کے وصّی میں نے ریسیور رکھ دیا
اور پھر اپنی انا کے پاؤں پہ سر رکھ دیا

جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو

جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے
کہ لاکھ چاہو نہ ہنس سکو گے
ہزار چاہو نہ رو سکو گے
کہ خواب کیا ہیں عذاب ہیں یہ
مرے دکھوں کی کتاب ہیں یہ
رفاقتیں ان میں چھوٹتی ہیں
محبتیں ان میں روٹھتی ہیں

پنپتی ہیں ان میں وحشتیں سی
اذیتیں ان میں پھوٹتی ہیں
انہی کے ڈر سے خزاں ہیں جذبے
انہی سے شاخیں سی ٹوٹتی ہیں
غموں کی بندش ہیں خواب میرے
دُکھوں کی بارش ہیں خواب میرے
ابل رہا ہے دُکھوں کا لاوا
رہین آتش ہیں خواب میرے
خیال سارے جھلس گئے ہیں
سلگتی خواہش ہیں خواب میرے
اکھڑتی سانسیں ہیں زندگی کی
لہو کی سازش ہیں خواب میرے
جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک شب بھی نہ سو سکو گے

میں بھی کتنا پاگل ہوں ناں۔۔!

جب بھی رات کو گھر آتا ہوں
اپنے دروازے پہ دستک دیتے لمحے
اکثر میری سوچ یہ مجھ سے کہتی ہے
آج تو دروازہ کھولیگی
مجھ کو دیکھ کے مُسکائے گی
میرا ماتھا چومے گی
شرمائے گی

گھر میں داخل ہو کر میں بھی کوئی شرارت کر دوں گا
تو خود میں سمٹ کر رہ جائیگی
میں بھی کتنا پاگل ہوں ناں
کیا کیا سوچا کرتا ہوں
میں بھی کتنا پاگل ہوں ناں۔۔۔!!

خیال رکھنا

ادھوری باتیں ہی زندگی ہیں
وہ گزری باتیں ہی زندگی ہیں
اگرچہ دل کی اداس اُجڑی ہوئی رُتوں میں
بکھر گئی ہیں
کئی زمانوں سے ساری باتیں
وہ گُزری باتیں
سلگتی شاموں کے جلتے بجھتے الاؤ ہی میں
پگھل گئی ہیں

ادھوری باتیں۔۔۔۔۔
ضروری باتیں۔۔۔۔۔
یہ خشک ہوتی ہوئی رگوں کی سیاہ قبروں میں نیم مردہ
ڈسی ہوئی خواہشوں کے ہمراہ
گُندھی ہوئی ہیں
یہ آنکھ کی پتلیوں میں تھک کے
کھٹکتی پلکوں پہ سو گئی ہیں
تمام باتیں درست جاناں
تمام خدشے بجا ہیں لیکن
ہر ایک امکانِ زندگی میں
رگوں میں اور رُوح کی زمیں میں
اِنہی کی یادیں بھٹک رہی ہیں
انہی کے دم سے ضعیف جذبوں، ٹھٹھرتے لفظوں
بجھی تمناؤں میں رمق ہے

اُدھوری باتیں ہی زندگی ہیں
وہ گزری باتیں ہی زندگی ہیں
خیال رکھنا۔۔۔!
اُدھوری باتیں بھلا نہ دینا
ضُروری باتیں۔۔۔
وہ گزری باتیں بھلا نہ دینا
خیال رکھنا۔۔۔
خیال رکھنا۔۔۔۔!

دو شعر

جب تیری یاد میں مصرعہ کوئی لکھنے بیٹھا
میں نے کاغذ پہ بھی چھاؤں کا گُلستاں دیکھا
تو نے دیکھا ہے منڈیروں پہ چراغوں کو فقط
میں نے جلتا ہوا ہر دور میں اِنساں دیکھا

تیری جانب اگر چلے ہوتے
ہم نہ یوں در بدر ہوئے ہوتے

ساری دنیا ہے میری مٹھی میں
کون آئیگا اب ترے ہوتے

اور اب کیوں نہیں نبھاتے تم
اتنے وعدے نہیں کئے ہوتے

پا لیا میں نے ساری دُنیا کو
کوئی خواہش نہیں ترے ہوتے

اُس کی آنکھوں میں بار پانے کو
کاش ہم خواب بَن گئے ہوتے
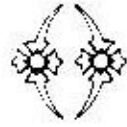
دیارِ غیر میں کیسے تُجھے صدا دیتے
تُو مل بھی جاتا تو آخر تجھے گنوا دیتے

تمہی نے ہم کو سُنایا نہ اپنا دُکھ ورنہ
دُعا وہ کرتے کہ ہم آسماں ہلا دیتے

ہمیں یہ زعم رہا اب کے وہ پکاریں گے
اُنہیں یہ ضِد تھی کہ ہر بار ہم صدا دیتے

وہ تیرا غم تھا کہ تاثیر میرے لہجے کی
کہ جس کو حال سُناتے اُسے رُلا دیتے

تمہیں بھلانا ہی اوّل تو دسترس میں نہیں !
جو اِختیار بھی ہوتا تو کیا بھلا دیتے؟

ہم اپنے بچوں سے کیسے کہیں کہ یہ گُڑیا
ہمارے بَس میں جو ہوتی تو ہم دِلا دیتے

تمہاری یاد نے کوئی جواب ہی نہ دیا
مرے خیال کے آنسو رہے صدا دیتے

سماعتوں کو میں تا عُمر کوستا سیّدؔ
وہ کچھ نہ کہتے مگر ہونٹ تو ہِلا دیتے

بھنور کی گود میں جیسے کنارہ ساتھ رہتا ہے
کچھ ایسے ہی تمہارا اور ہمارا ساتھ رہتا ہے

محبت ہو کہ نفرت ہو اُسی سے مشورہ ہوگا
مری ہر کیفیت میں استخارہ ساتھ رہتا ہے

سفر میں عین ممکن ہے میں خُود کو چھوڑ دُوں لیکن
دُعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے

مرے مولا نے مُجھ کو چاہتوں کی سلطنت دے دی
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے

اگر سیدؔ مرے لب پر محبت ہی محبت ہے
تو پھر یہ کس لئے نفرت کا دھارا ساتھ رہتا ہے

آج یوں موسم نے دی جشنِ محبت کی خبر
پھوٹ کر رونے لگے ہیں میں، محبت اور تُم

ہم نے جونہی کر لیا محسوس منزل ہے قریب
راستے کھونے لگے ہیں میں، محبت اور تُم

چاند کی کرنوں نے ہم کو اِس طرح بوسہ دیا
دیوتا ہونے لگے ہیں میں، محبت اور تُم

دَھر گیا اِلزام جب سے اَپنی حُرمت پر کوئی
بارشیں دَھونے لگے ہیں میں، محبت اور تُم

آج پھر محرومیوں کی داستانیں اَوڑھ کر
خاک میں سونے لگے ہیں میں، محبت اور تُم

کھو گئے اَنداز بھی، آواز بھی، الفاظ بھی
خَامشی ڈھونے لگے ہیں میں، محبت اور تُم

جانِ جاناں! تُم کہتی تھیں

جانِ جاناں
تم کہتی تھیں
جانو آپ! مرے بچے ہو
مُجھ کو ایسا لگتا ہے تُم اَوڑھ کے میرے لہو کو
میرے بدن میں سوئے رہے ہو
میری روح کا نشہ پی کر میرے اندر کھوئے رہے ہو
میرے جِسم کا ہی حِصّہ ہو

جانِ جاناں! تُم کہتی تھیں

جانو! آپ مرے بچے ہو

لیکن ایسے

جس کو میں آنچل کے گوشوں میں تو چھپا کر رکھ سکتی ہوں

جس کو آنکھ کی پتلی میں پنہاں تو کر سکتی ہوں لیکن

اِس بچے کو

جانو آپ کو

دُنیا کی نظروں میں لانا نہیں ہے ممکن

بڑا کٹھن ہے

اِس دھرتی کی ظالم رسمیں

سب جھگڑے اور سبھی مسائل

کب تسلیم نہیں ہیں مجُھ کو

لیکن جاناں

یہ بتلاؤ

کیا کوئی ماں

اپنے بچے کو سردی میں

کھُلی ہوئی ویران سڑک پر

رات کی بھیگی تنہائی میں

سَن سَن کرتی ہوا کے جھونکوں کے مقتل میں

چھوڑ کے تنہا

منزل والی روشن راہ پہ چل سکتی ہے

کیا کوئی ماں

ایسا بھی کچھ کر سکتی ہے

لیکن تم نے یہی کیا ہے

جانِ جاناں۔۔۔۔!!

ایک شعر

میں ترے ہونٹ کے جس تل کو بہت چومتا تھا
اب وہ خوابوں میں چمکتا ہے ستارے کی طرح

Bongoo Tycoon

جب میں گھر سے نکل رہا تھا
چلتے چلتے
میرے سینے سے ہٹتے پل
دِھیرے سے اِک سرگوشی میں
اُس نے کہا تھا
دیکھیں چاہے کچھ ہو جائے
روز مجھے Ring کیجیے گا
پھر جب اُس کے ہاتھ اور نظریں
دونوں میری ٹائی پر تھیں

کہنے لگی

" آپ نہیں ہوتے ہیں تو میں بالکل خالی ہو جاتی ہوں "

چھوڑ نہیں سکتے یہ Business

آپ مجھے کیوں تڑپاتے ہیں

اچھا دیکھیں یوں کرتے ہیں

اِک دن خط اور اِک دِن فون

میں نے اُس کو بوسہ دے کر

اُس سے کہا تھا

اب کے چاہے کچھ ہو جائے

خط لکھوں گا فون کرونگا

ہائے لیکن خودسر فطرت

اور کچھ کاروبار کے جھنجھٹ

ناں تو اُس کو فون کیا تھا

اور نہ کوئی خط لکھ پایا

ناں کوئی Message ناں ہی کارڈ

اب جو گھر کو لوٹ رہا ہوں

سوچ رہا ہوں

تنہائی کے یہ دو ہفتے

اُس پر صدیوں جیسے ہونگے

لیکن یہ بھی جانتا ہے دل

اُس کو بے حد شکوے ہوں گے

تڑپی ہو گی

چھپ کر تکیے میں راتوں کو روئی ہو گی

خفا خفا سی

لیکن گھر میں داخل ہو کر

جب میں اُس کے ماتھے پر اِک بوسہ دونگا

اُن ہونٹوں پر ہونٹ رکھوں گا

اور کہوں گا

"یار مجھے تم یاد آئیں تھیں
لمحے لمحے میں سو بار"
بس اتنا ہی کہنا ہو گا
اور رو دے پگلی
اپنا سب کچھ سونپ کے مُجھ کو
میرے سینے لگ جائیگی
پھر جب اُس کے ہاتھ اور نظریں
دونوں میرے سینے کے بالوں پر ہوں گے
(وہ سینہ جو اُن اشکوں سے بھیگا ہو گا)
سرگوشی میں مُجھ سے کہے گی
آپ بھلے اب کچھ بھی کر لیں
ہرگز اب ناں جانے دوں گی
سچی آپ تو بہت بُرے ہیں
بہت بُرے ہیں
"ہیں ناں بونگو"۔۔۔۔۔!

سوچتا ہوں کہ اُسے نیند بھی آتی ہو گی
یا مری طرح فقط اشک بہاتی ہو گی

وہی مری شکل مرا نام بھلانے والی
اپنی تصویر سے کیا آنکھ ملاتی ہو گی

اس زمیں پر بھی ہے سیلاب مرے اشکوں سے
میرے ماتم کی صدا عرش ہلاتی ہو گی

شام ہوتے ہی وہ چوکھٹ پہ جلا کر شمعیں
اپنی پلکوں پہ کئی خواب سلاتی ہو گی

اُس نے سلوا بھی لئے ہونگے سیاہ رنگ لباس
اب محرم کی طرح عید مناتی ہوگی

ہوتی ہوگی مرے بوسے کی طلب میں پاگل
جب بھی زلفوں میں کوئی پھول سجاتی ہوگی

میرے تاریک زمانوں سے نکلنے والی
روشنی تجھ کو مری یاد دلاتی ہوگی

دِل کی معصوم رگیں خود ہی سلگتی ہونگی
جونہی تصویر کا کونہ وہ جلاتی ہوگی

رُوپ دے کر مجھے اُس میں کسی شہزادے کا
اپنے بچوں کو کہانی وہ سُناتی ہوگی

ہزاروں دُکھ پڑیں سَہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تُم سے بَس یہی کہنا محبت مَر نہیں سکتی

ترا ہر بار میرے خط کو پڑھنا اور رو دینا
مرا ہر بار لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی

کیا تھا ہم نے کیمپس کی ندی پر اِک حسیں وعدہ
بھلے ہم کو پڑے مَرنا محبت مَر نہیں سکتی

جہاں میں جب تلک پنچھی چہکتے اُڑتے پھرتے ہیں
ہے جب تک پھول کا کھلنا محبت مر نہیں سکتی

پُرانے عہد کو جب زندہ کرنے کا خیال آئے
مجھے بس اِتنا لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی

وہ تیرا ہجر کی شب فون رکھنے سے ذرا پہلے
بہت روتے ہوئے کہنا محبت مر نہیں سکتی

اگر ہم حسرتوں کی قبر میں ہی دفن ہو جائیں
تو یہ کتبوں پہ لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی

پُرانے رابطوں کو پھر نئے وعدے کی خواہش ہے
ذرا اِک بار تو کہنا محبت مر نہیں سکتی

گئے لمحات فرصت کے کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں
وہ پہروں ہاتھ پہ لکھنا محبت مر نہیں سکتی
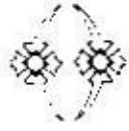
کتنی زُلفیں کھُلیں کتنے آنچل اُڑے چاند کو کیا خبر
کتنا ماتم ہوا کتنے آنسو بہے چاند کو کیا خبر

مدتوں اُس کی خواہش میں چلتے رہے ہاتھ آتا نہیں
چاہ میں اُس کی پیروں میں ہیں آبلے چاند کو کیا خبر

وہ جو نکلا نہیں تو بھٹکتے رہے ہیں مُسافر کئی
اور لُٹتے رہے ہیں کئی قافلے چاند کو کیا خبر

وہ تو اپنی ہی نگری میں مدہوش ہے کب سے خاموش ہے
کون راجہ بنا کتنے سید لٹے، چاند کو کیا خبر

اِس کو دعویٰ بہت میٹھے پن کا وصی چاندنی سے کہو
اِس کی کرنوں سے کتنے ہی گھر جل گئے چاند کو کیا خبر

مُجھ کو معلوم ہے تم بدل جاؤ گے جا کے پردیس میں
چاہتوں کی حدوں سے نکل جاؤ گے جا کے پردیس میں

راکھ ہو جائیگی قربتوں میں مہکتی ہوئی زندگی
ہجر کی آگ میں تم پگھل جاؤ گے جا کے پردیس میں

سب کو بھولو گے پر اپنے بچوں کی جب تم کو یاد آئیگی
خود بھی بچوں کی صورت مچل جاؤ گے جا کے پردیس میں

اپنی پہچان کو خواہشوں کے سمندر میں گر کھو دیا
داستانوں میں پھر تم بھی ڈھل جاؤ گے جا کے پردیس میں

عین ممکن ہے جب تم وہاں جاؤ تو اور بڑھ جائیں دُکھ
کس نے تم سے کہا ہے بہل جاؤ گے جا کے پردیس میں
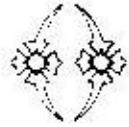
یہ بتا دُوں تمہیں سردیاں آگ برسائیں گی اس جگہ
سوچ لو اب بھی تم ورنہ جل جاؤ گے جا کے پردیس میں

تم پہ یوں ہاتھ ڈالیں گی تنہائیاں ایک وقت آئیگا
کوئی آہٹ بھی ہو گی دہل جاؤ گے جا کے پردیس میں

کل عجب سانحہ سا ہوا ریت پر
نام تیرا نہیں لکھ سکا ریت پر

کس کی آواز سے تھم گئے ہیں قدم
پھر سے کس نے مجھے دی صدا ریت پر

اُس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے رہے
ناچتی رہ گئی کل گھٹا ریت پر

تو نے جو بھی ہوا سے کہا رہ گیا
مٹ گیا میں نے جو بھی لکھا ریت پر

میں تمہیں چومنا چاہتا ہوں ابھی
اُس نے مجھ سے یہ اِک دن کہا ریت پر

اب یہ صحرا ہی تیرے مقدر میں ہیں
تو نے مانگی ہی کیوں تھی دُعا ریت پر

ایک شعلہ اُٹھا اُس جگہ سے وصّی
میرا آنسو جہاں گر گیا ریت پر

خواب اور خُوشبو

خواب اور خُوشبو
دونوں ہی آزادہ رو ہیں
دونوں قید نہیں ہو سکتے
میرے خواب
تمہاری خُوشبو۔۔۔۔!

دو شعر

اندھیری رات میں رہتے تو کتنا اچھا تھا
ہم اپنی ذات میں رہتے تو کتنا اچھا تھا

دکھوں نے بانٹ لیا ہے تمہارے بعد ہمیں
تمہارے ہات میں رہتے تو کتنا اچھا تھا

یاد

شب کے پچھلے پہر تک
میں لیتا رہا ہچکیاں
اور پھر سو گئے تم

تین شعر

جب تمہاری آنکھ ہو گہرے سمندر کی طرح
کیوں نہ لگتا ہو سمندر دیدۂ تر کی طرح

اِس لئے روشن کیا ہے تیرے چہرے کا چراغ
دوپہر تاریک ہے میرے مقدر کی طرح

نا شناسا جس کی دیواریں ہیں در بھی اجنبی
وہ ملا مجھ کو ہمیشہ اِک نئے گھر کی طرح
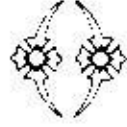
مری وفا نے کھلائے تھے جو گُلاب سارے جھلس گئے ہیں
تمہاری آنکھوں میں جس قدر تھے وہ خواب سارے جھلس گئے ہیں

مری زمیں کو کسی نئے حادثے کا ہے انتظار شاید
گناہ پھلنے لگے ہیں اجر و ثواب سارے جھلس گئے ہیں

جو تم گئے تو مری نظر پہ حقیقتوں کے عذاب اُترے
یہ سوچتا ہوں کہ کیا کرونگا سراب سارے جھلس گئے ہیں

یہ معجزہ صرف ایک شب کی مسافتوں کے سبب ہوا ہے
تمہارے اور میرے درمیاں کے حجاب سارے جھلس گئے ہیں

اُسے بتانا کہ اُس کی یادوں کے سارے صفحے جلا چکا ہوں
کتابِ دل میں رقم تھے جتنے وہ باب سارے جھلس گئے ہیں

نظر اُٹھاؤں میں جس طرف بھی مہیب سائے ہیں ظلمتوں کے
یہ کیا کہ میرے نصیب کے ماہتاب سارے جھلس گئے ہیں

تمہاری نظروں کی یہ تپش ہے کہ میرے لفظوں پہ آبلے ہیں
سوال سارے جھلس گئے ہیں جواب سارے جھلس گئے ہیں

یہ آگ خاموشیوں کی کیسی تمہاری آنکھوں میں تیرتی ہے
تمہارے ہونٹوں پہ درج تھے جو نصاب سارے جھلس گئے ہیں

تمام شہر میں اب تو ہے راج کانٹوں کا
مجھے قبول نہیں یہ سماج کانٹوں کا

چلو کہ کچھ تو تسلی ہوئی مرے دِل کو
اسی میں خوش ہوں کہ پایا خراج کانٹوں کا

ہمارے پھول سے چہروں کو نوچنے والو
کبھی تو تم پہ بھی اُترے اناج کانٹوں کا

سنبھال سکتے نہیں ہم یہ غم کی جاگیریں
اُتار لیجئے سر سے یہ تاج کانٹوں کا

یہ اور بات کہ گُل کی طرح مہکتے رہے
وگرنہ رکھتے تھے ہم بھی مزاج کانٹوں کا
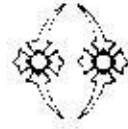
بہت عجیب سے لہجے میں بات کرتا ہے
ہے آج پھول میں کچھ امتزاج کانٹوں کا

میری آنکھوں کے سمندر میں جلن کیسی ہے
آج پھر دِل کو تڑپنے کی لگن کیسی ہے

اب کسی چھت پہ چراغوں کی قطاریں بھی نہیں
اب ترے شہر کی گلیوں میں گھٹن کیسی ہے

برف کے روپ میں ڈھل جائیں گے سارے رشتے
مجھ سے پوچھو کہ محبت کی اگن کیسی ہے

میں ترے وَصل کی خواہش کو نہ مَرنے دونگا
موسمِ ہجر کے لہجے میں تھکن کیسی ہے

ریگزاروں میں جو بنتی رہی کانٹوں کی رِدا
اُس کی مجبور سی آنکھوں میں کرن کیسی ہے

مجھے معصوم سی لڑکی پہ ترس آتا ہے
اِسے دیکھو تو محبت میں مگن کیسی ہے

کِسی کی آنکھ سے سپنے چُرا کر کچھ نہیں ملتا
مُنڈیروں سے چِراغوں کو بُجھا کر کچھ نہیں ملتا

ہماری سوچ کی پَرواز کو روکے نہیں کوئی
نئے افلاک پہ پہرے بٹھا کر کچھ نہیں ملتا

کوئی اک آدھ سپنا ہو تو پھر اچھا بھی لگتا ہے
ہزاروں خواب آنکھوں میں سجا کر کچھ نہیں ملتا

سکوں اُن کو نہیں ملتا کبھی پردیس جا کر بھی
جنہیں اَپنے وَطن سے دِل لگا کر کچھ نہیں مِلتا

اُسے کہنا کہ پلکوں پر نہ ٹانکے خواب کی جھالر
سمندر کے کنارے گھر بنا کر کچھ نہیں ملتا

یہ اچھا ہے کہ آپس کے بھرم ناں ٹوٹنے پائیں
کبھی بھی دوستوں کو آزما کر کچھ نہیں ملتا

نہ جانے کون سے جذبے کی یوں تسکین کرتا ہوں
بظاہر تو تمہارے خط جلا کر کچھ نہیں ملتا

فقط تم سے ہی کرتا ہوں میں ساری راز کی باتیں
ہر اک کو داستانِ دِل سُنا کر کچھ نہیں ملتا

عمل کی سوکھتی رگ میں ذرا سا خُون شامل کر
مرے ہمدم فقط باتیں بنا کر کچھ نہیں ملتا

اُسے میں پیار کرتا ہوں تو مجھ کو چین آتا ہے
وہ کہتا ہے اُسے مجھ کو ستا کر کچھ نہیں ملتا

مجھے اکثر ستاروں سے یہی آواز آتی ہے
کسی کے ہجر میں نیندیں گنوا کر کچھ نہیں ملتا

جگر ہو جائیگا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی
وصّی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا

ایک شعر

دو کے بجائے چائے بنائی ہے ایک کپ
افسوس آج تو بھی فراموش ہوگیا

مرثیہ

میں وہ ننھا بچہ ہوں
بول نہیں سکتا ہے جو
اور اِک اُجڑے اسٹیشن پر
اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہے
ماں بے چاری
جانے کب سے
مجھ کو چلتی گاڑی میں ہی ڈھونڈ رہی ہے

تین شعر

جب سے ترے خیال کا موسم ہوا ہے دوست
دنیا کی دھوپ چھاؤں سے آگے نکل گئے

مڑ مڑ کے اب بھی کھیت صدائیں دیا کیے
اب کے بھی تیرے گاؤں سے آگے نکل گئے

ہم کو پلٹ کے دیکھنا مشکل سا ہوگیا
شاید تری صداؤں سے آگے نکل گئے

سپردگی

آج وہ مدت بعد آئی بھی
بس یہ کہنے
جاناں!
میرے سارے خط لوٹا دو
سب تصویریں قلم کتابیں

واپس کر دو سارے تحفے
مجھ سے سب کچھ مانگنے والی
جاتے جاتے
میرے کمرے کی چوکھٹ پر
چھوڑ گئی ہے
"اپنا آپ"

دُکھ دَرد میں ہمیشہ نکالے تمہارے خط
اور مِل گئی خُوشی تو اُچھالے تمہارے خط

سب چُوڑیاں تمہاری سمندر کو سَونپ دیں
اور کر دِیئے ہوا کے حَوالے تمہارے خط

میرے لہو میں گُونج رہا ہے ہر ایک لفظ
میں نے رگوں کے دَشت میں پالے تمہارے خط

یوں تو ہیں بے شمار وفا کی نشانیاں
لیکن ہر ایک شے سے نرالے تمہارے خط

جیسے ہو عمر بھر کا اثاثہ غریب کا
کچھ اِس طرح سے میں نے سنبھالے تمہارے خط

اہلِ ہنر کو مجھ پہ وصّی اعتراض ہے
میں نے جو اپنے شعر میں ڈھالے تمہارے خط

پروا مجھے نہیں ہے کسی چاند کی وصّی
ظلمت کے دشت میں ہیں اُجالے تمہارے خط

دُکھ درد کے ماروں سے مرا ذکر نہ کرنا
گھر جاؤ تو یاروں سے مرا ذکر نہ کرنا

وہ ضبط نہ کر پائیں گی آنکھوں کے سمندر
تم راہ گزاروں سے مرا ذکر نہ کرنا

پھولوں کے نشیمن میں رہا ہوں میں سدا سے
دیکھو کبھی خاروں سے مرا ذکر نہ کرنا

شاید یہ اندھیرے ہی مجھے راہ دِکھائیں
اب چاند سِتاروں سے مرا ذِکر نہ کرنا

وہ میری کہانی کو غلط رنگ نہ دے دیں
افسانہ نگاروں سے مرا ذِکر نہ کرنا

شاید وہ مرے حال پہ بے ساختہ رو دیں
اِس بار بہاروں سے مرا ذِکر نہ کرنا

لے جائیں گے گہرائی میں تُم کو بھی بہا کر
دریا کے کناروں سے مرا ذِکر نہ کرنا

وہ شخص ملے تو اُسے ہر بات بتانا
تُم صِرف اشاروں سے مرا ذِکر نہ کرنا
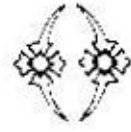
گلِ زباں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہاری "ہاں" پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

درخت پر جو کبھی چوڑیوں سے ڈالا تھا
اُس اِک نشاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

یہ ایک ہم کہ نئی بولیاں سدا بولیں
تری زباں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
سُلگ رہی ہیں ذہن میں قبائیں لفظوں کی
مگر زباں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

تمہارے آنے پہ سُورج کے ہاتھ چمکیں گے
مرے مکاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

ہر ایک سمت پگھلنے لگے ہیں سنائے
ترے بیاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

جہاں جہاں تری خوشبو کے رنگ بکھرے ہیں
وہاں وہاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

تری جدائی کے پل سے ہوا ہے عشق حنوط
کہ اِس جہاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

وہ "ہاں" کریگی بہاروں میں اُس کا وعدہ تھا
اُس ایک "ہاں" پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

وہ مجھ کو سونپ گیا فرقتیں دسمبر میں
درختِ جاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

ہمارے لب تو دعائیں جلائے رکھتے ہیں
پر آسماں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

تب یاد بہت تم آتے ہو

جب رات کی ناگن ڈستی ہے
نس نس میں زہر اُترتا ہے
جب چاند کی کرنیں تیزی سے
اِس دل کو چیر کے آتی ہیں
جب آنکھ کے اندر ہی آنسو
زنجیروں میں بندھ جاتے ہیں
سب جذبوں پہ چھا جاتے ہو

تب یاد بہت تم آتے ہو

جب دَرد کی جھانجر بجتی ہے

جب رقص غموں کا ہوتا ہے

خوابوں کی تال پہ سارے دُکھ

وحشت کے ساز بجاتے ہیں

گاتے ہیں خواہش کی لے میں

مستی میں جھومتے جاتے ہیں

سَب جذبوں پر چھا جاتے ہو

تب یاد بہت تم آتے ہو

تب یاد بہت تم آتے ہو

Wel Come

رات کا پچھلا پہر ہے

ماتمی ملبوس اوڑھے

دَرد کی اُن وادیوں سے

وحشتوں کے راستے سے

لڑکھڑاتی

ڈگمگاتی

بال کھولے

بین کرتی

چاندنی کو ساتھ لے کر

میری جانب چل پڑی ہے

آ رہی ہے

تیری یاد

تمہارے لئے ایک نظم

دیکھیں جانو آپ اس بار

جلدی جلدی خط لکھیے گا

ورنہ۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔!

ورنہ میں کیا کر سکتی ہوں؟

رو لوں گی بس۔۔۔!

اب سے کتنے موسم پیچھے

میں اس کے خط پر رویا تھا

شاید پورا ہفتہ میری آنکھ میں لالی رچی رہی تھی

اور اب اتنے برسوں بعد

آج پرانے درد کھنگالے
پچھلے کتنے گھنٹوں سے
اپنی اُس نادانی پر میں
رہ رہ کر ہنس پڑتا ہوں
لیکن دور کہیں آنکھوں میں
انجانا سا آنسو اب بھی
اُٹھتا ہے اور دب جاتا ہے
چھُپ جاتا ہے
جیسے کتنے موسم پیچھے
شاید پورا ہفتہ میری آنکھ میں لالی رچی رہی تھی

پاگل لڑکی

پہلے میرے خط کے اُس نے
اِک انجانے خوف سے ڈر کر
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

اب
ایک حسین احساس کے تابع
جس کا کوئی نام نہیں ہے
پچھلے کتنے ہی گھنٹوں سے
دروازے کی اوٹ میں چھُپ کر
ٹکڑے جوڑ رہی ہے۔۔۔۔پاگل

ایک شعر

کہتے ہو کہ بچھڑے کوئی مدت نہیں گزری
لگتا ہے کبھی تم نے کیلنڈر نہیں دیکھا

دیا جلانا

میں جانتا ہوں کہ اب چھتوں پر
دیے جلانے کی رسم باقی نہیں رہی ہے
مگر تمہیں میری یاد آئے
تو یاد رکھو۔۔۔۔!
تم اپنی آنکھوں سے
آنسوؤں کے چمکتے موتی نہ گرنے دینا
بس اِتنا کرنا

که اپنی چھت پر
مری محبت کی نظم گا کر
مری رفاقت کو یاد کر کے
دیا جلانا
تم اپنی چھت پر کسی بھی کونے میں بیٹھ کر
اِک دیا جلانا۔۔۔۔۔!

اُس کے بیٹے کیلئے ایک نظم

اے مرے چاند کی آغوش سے اُبھرے ہوئے چاند
تیرے آنے سے مری شوخ کی سب مُسکانیں
اُس کے مرجھائے ہوئے چہرے پہ لوٹ آئی ہیں
تو نے ہی اُس کے سلگتے ہوئے سب زخموں پر
اپنا نازک سا مہکتا ہوا مرہم رکھا
گویا صحراؤں میں برسات کا موسم رکھا
وقت کی آندھی نے اِک پھول مرے آنگن کا
گلشنِ غیر کے زندان میں لا پھینکا تھا
میں کہ جگنو تھا چھِنے مجھ سے حوالے میرے

کھو گئے جانے کہاں سارے اُجالے میرے
وہ کہ تتلی تھی سبھی رنگوں سے محروم ہوئی
ہجر کے دَرد میں دِن رات وہ مغموم ہوئی
بکھری بکھری سی وہ رہتی تھی مری سوچوں میں
تیرے آنے سے مری شوخ نے خوشیاں پائیں
تو جو ہنستا ہے تجھے دیکھ کے جی اُٹھتی ہے
تو جو روتا ہے تو گھبرا کے بکھر جاتی ہے
مجھ سے وابستہ جو کرتی تھی مقدر اپنا
اب سمجھتی ہے فقط تجھ کو سکندر اپنا
اب تری ذات سے منسوب ہیں سانسیں اُس کی
اور کھلتی ہیں ترے قُرب میں باہنیں اُس کی
اے مرے چاند کی آغوش میں کھلتے ہوئے چاند
تو نے مجھ پر عجب احسان کیا ہے پیارے
اب ترے قُرب میں وہ مجھ کو بھلا تو دے گی
ہجر کے جلتے ہوئے دیپ بجھا تو دے گی

مجھے ہر کام سے پہلے

مجھے ہر کام سے پہلے
سحر سے شام سے پہلے
یہی اِک کام کرنا ہے
تمہارا نام لینا ہے
تمہی کو یاد کرنا ہے
کہ جب بھی دَرد پینا ہے

کہ جب بھی زخم سینا ہے
غمِ دُنیا سے گھبرا کر
مجھے جب جام لینا ہے
تمہارا نام لینا ہے
تمہی کو یاد کرنا ہے
تمہاری یاد ہے دِل میں
کہ اِک صیاد ہے دِل میں
کوئی برباد ہے دِل میں
اُسے آباد کرنا ہے
تمہارا نام لینا ہے
تمہی کو یاد کرنا ہے

تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا؟

بے سبب تو نہ تھیں تری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا
ضبط کا حوصلہ بڑھا لینا
آنسوؤں کو کہیں چھپا لینا
کانپتی ڈولتی صداؤں کو
چپ کی چادر سے ڈھانپ کر رکھنا
بے سبب بھی کبھی کبھی ہنسنا
جب بھی ہو بات کوئی تلخی کی
موضوعِ گفتگو بدل دینا
بے سبب تو نہیں تری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا

ایک شعر

دھوئیں کی لہر پہ تصویر رقص کرتی رہی
وہ سگرٹوں کے تسلسل میں یاد آتا رہا

یہ کب کہا تھا نظاروں سے خوف آتا ہے
مجھے تو چاند ستاروں سے خوف آتا ہے

میں دشمنوں کے کسی وار سے نہیں ڈرتا
مجھے تو اپنے ہی یاروں سے خوف آتا ہے

خزاں کا جبر تو سینے پہ روک لیتے ہیں
ہمیں اُداس بہاروں سے خوف آتا ہے

ملے ہیں دوستو بیساکھیوں سے غم اِتنے
مرے بدن کو سہاروں سے خوف آتا ہے

میں اِلتفات کی خندق سے دُور رہتا ہوں
تعلقات کے غاروں سے خوف آتا ہے

دو شعر

مُجھ کو بھی خوفِ ترکِ تعلّق نے آ لیا
وہ بھی اسی خیال سے اوروں کی ہو گئی
پہلے تو اُس کے ہاتھ کی مشعل بُجھی وصیؔ
پھر یوں ہوا کہیں مری تقدیر کھو گئی

میں ہوں ترا خیال ہے اور چاند رات ہے
دِل درد سے نڈھال ہے اور چاند رات ہے

آنکھوں میں چُبھ گئیں تری یادوں کی کرچیاں
کاندھوں پہ غم کی شال ہے اور چاند رات ہے

دِل توڑ کے خموش نظاروں کا کیا ملا؟
شبنم کا یہ سوال ہے اور چاند رات ہے

پھر تتلیاں سی اُڑنے لگیں دشت خواب میں
پھر خواہشِ وصال ہے اور چاند رات ہے

کیمپس کی نہر پر ہے ترا ہاتھ ہاتھ میں
موسم بھی لازوال ہے اور چاند رات ہے

ہر اِک کلی نے اوڑھ لیا ماتمی لباس
ہر پھول پر ملال ہے اور چاند رات ہے

میری تو پور پور میں خوشبو سی بس گئی
اُس پر ترا خیال ہے اور چاند رات ہے

چھلکا سا پڑ رہا ہے وصّی وحشتوں کا رنگ
ہر چیز پہ زوال ہے اور چاند رات ہے

فلک پہ چاند کے ہالے بھی سوگ کرتے ہیں
جو تو نہیں تو اُجالے بھی سوگ کرتے ہیں

تمہارے ہاتھ کی چوڑی بھی بین کرتی ہے
ہمارے ہونٹ کے تالے بھی سوگ کرتے ہیں

نگر نگر میں وہ بکھرے ہیں ظلم کے منظر
ہماری روح کے چھالے بھی سوگ کرتے ہیں

اُسے کہو کہ ستم میں وہ کچھ کمی کر دے
کہ ظلم توڑنے والے بھی سوگ کرتے ہیں

تم اپنے دُکھ پہ اکیلے نہیں ہو افسردہ
تمہارے چاہنے والے بھی سوگ کرتے ہیں

آدھا چاند اور پورا دُکھ

جب سے تم بچھڑے ہو تب سے
آدھا چاند اگر دیکھوں تو
میری آنکھیں بھر آتی ہیں

دو شعر

ہر ایک شب مری تازہ عذاب میں گزری
تمہارے بعد تمہارے ہی خواب میں گزری
میں ایک پھول ہوں وہ مجھ کو رکھ کے بھول گیا
تمام عمر اُسی کی کتاب میں گزری

تنبیہ

اے دلکش معصوم لڑکیو۔۔۔۔! تم
کبھی کسی سے بھی دُکھ نہ کہنا
اِن آنچلوں سے
کھنکتی رنگین چوڑیوں سے
بدن کی اپنی ہی خوشبوؤں سے
پلک کے اُٹھنے پلک جھپکنے
کی ساعتوں سے
چھتوں کے کونوں میں چھپ کے بیٹھی
وہ شوخ وشنگ اور ناز پروری چاندنی سے
دیوں کی لَو سے

یا اُن کتب سے کہ جن میں پھولوں کے تتلیوں کے حسین دُکھ ہوں
پلنگ پہ سلوٹوں بھری صاف چادروں سے
گداز تکیوں سے جن میں زلفوں کی خوشبوئیں رقص کر رہی ہوں
تم آئینوں اور جگنوؤں سے
سہیلیوں اور دوستوں سے
کبھی بھی معصوم لڑکیو۔۔۔ تم۔۔۔!
وہ دُکھ نہ کہنا
سیاہ راتوں میں جس کو اپنی
اُداس آنکھوں سے
اپنے ہی دِل کی دھڑکنوں سے
چھپا چھپا کر بکھر رہی تھیں
کبھی بھی دیکھو وہ دُکھ نہ کہنا
کبھی بھی اے لڑکیو۔۔۔!
وگرنہ۔۔۔!۔۔۔!۔۔۔!

ابھی تو عشق میں ایسا بھی حال ہونا ہے
کہ اشک روکنا تم سے محال ہونا ہے

ہر ایک لب پہ ہیں میری وفا کے افسانے
ترے ستم کو ابھی لازوال ہونا ہے

بجا کہ خار ہیں لیکن بہار کی رُت میں
یہ طے ہے اب کے ہمیں بھی نہال ہونا ہے

تمہیں خبر ہی نہیں تم تو لوٹ جاؤ گے
تمہارے ہجر میں لمحہ بھی سال ہونا ہے

ہماری روح پہ جب بھی عذاب اُتریں گے
تمہاری یاد کو اِس دِل کی ڈھال ہونا ہے

کبھی تو روئے گا وہ بھی کسی کی بانہوں میں
کبھی تو اُس کی ہنسی کو زوال ہونا ہے

ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس اِنتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے

ہر ایک شخص چلے گا ہماری راہوں پر
محبتوں میں ہمیں وہ مثال ہونا ہے

زمانہ جس کے خم و پیچ میں اُلجھ جائے
ہماری ذات کو ایسا سوال ہونا ہے

وصی یقین ہے مُجھ کو وہ لوٹ آئے گا
اُسے بھی اپنے کیے کا ملال ہونا ہے

واپسی کا نوحہ

تم سے میری بات ہوئی تھی
تم نے مُجھ کو سمجھایا تھا
اپنی ذات سے باہر نکلو
گھر کو لوٹو
گھر کو دیکھو

اور بھی لوگ تمہارے دم سے زندہ ہیں
تم میں اپنی ساری خوشیاں
دیکھ رہے ہیں
سوچ لیا ہے
دیکھ لیا ہے
لوٹ آیا ہوں
لیکن میرے اندر کوئی ٹوٹ گیا ہے

ایک شعر

اُس نے یہ میری محبت کو نیا موڑ دیا
آج میرے لئے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا

ضد

جانے کیوں پندرہ کا تنہا
اور اُداسی پہنے چاند
مُجھ کو اچھا لگتا ہے
شاید یوں
چودہ تو اب میری ضد ہے
کیونکہ چودہ کا خوش چاند
اُس کو اچھا لگتا تھا

میں اِس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

تری گلی کے علاوہ بھی اور قریے ہیں
جو اِس دیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

تمہارے ہجر کی صدیاں تمہارے وصل کے دِن
میں اِس شمار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

رَچا ہوا ہے ترا عشق میری پوروں میں
میں اِس خُمار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

یہ میرا جسم کہ ماتم سرائے حسرت ہے
میں اِس مزار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

یہ مُجھ میں کون مرے رات دِن سنبھالتا ہے
اِس اختیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

تمہارے جسم کی خوشبو نے کر دیا مسحور
اِس آبشار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

یہ بے قراری مری روح کا اُجالا ہے
میں اِس قرار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

کیسا مفتوح سا منظر ہے کئی صدیوں سے
میرے قدموں پہ مرا سَر ہے کئی صدیوں سے

خوف رہتا ہے نہ سیلاب کہیں لے جائے
میری پلکوں پہ ترا گھر ہے کئی صدیوں سے

اُس کے پانی میں بھی پہلے سا وہ ٹھہراؤ نہیں
تو بھی بے چین سمندر ہے کئی صدیوں سے

اشک آنکھوں میں سلگتے ہوئے سو جاتے ہیں
یہ مری آنکھ جو بنجر ہے کئی صدیوں سے

کون کہتا ہے ملاقات مری آج کی ہے
تو مری روح کے اندر ہے کئی صدیوں سے

یہ مجھے سانس بھی کھل کر نہیں لینے دیتا
میری شہ رگ پہ جو خنجر ہے کئی صدیوں سے

اے مری ماں میں ہر اک دھوپ سے لڑ سکتا ہوں
میرے سر پر تیری چادر ہے کئی صدیوں سے

میں نے جس کے لئے ہر شخص کو ناراض کیا
روٹھ جائے نہ یہی ڈر ہے کئی صدیوں سے

اُس کی عادت ہے جڑیں کاٹتے رہنے کی وصی
جو مری ذات کا محور ہے کئی صدیوں سے

پا برہنہ اور مرے چاروں طرف تنہائیاں
چُن رہا ہوں تیری یادوں کی سلگتی کرچیاں

کیا کہیں ترکِ تعلق کا ارادہ تو نہیں
یاد جو کرنے لگے ہو تم پرانی تلخیاں

آہ! وہ موسم وہ بیلے اور کنارہ نہر کا
یاد آتی ہیں مجھے کیمپس کی ساری شوخیاں

کیا کسی وحشت زدہ موسم کا تم کو خوف ہے
کس لئے خاموش ہو کھولو نا دل کی کھڑکیاں

میں اُسے شہرت کے بام و در پہ پہنچانے کے بعد
اپنے دامن میں چھپا لے جاؤں گا رسوائیاں

اپنی بربادی کا میں جا کر کسے الزام دوں
اپنے ہاتھوں سے ڈبوئیں میں نے اپنی کشتیاں

جیت تو جاتا ہوں پھر بھی دُکھ سا رہتا ہے مجھے
کب تلک اُس سے میں کھیلوں گا شکستہ بازیاں

بولیاں لگتی ہیں اب بھی خوشبوؤں کی شہر میں
آج بھی بازار میں بکتی ہیں نازک تتلیاں

لیجئے اِس دل کا پھر ماہِ محرم آ گیا
ماتموں کا شور ہے اور چل رہی ہیں برچھیاں

یاد ہے مجھ کو دسمبر میں جدائی کی وہ رات
چاند کی کرنیں لہو میں بن گئیں چنگاریاں

ہجر کے ساحل پہ کس کے منتظر بیٹھے ہو تم
اِس سمندر سے بھلا کب لوٹتی ہیں کشتیاں

پھر کسیلا ذائقہ موسم کا اِس دل کو لگا
پھر سے آنکھوں میں اُتر آئیں پرانی تلخیاں

کون جانے کس سے بدلہ لے رہا ہوں میں وصیؔ
ایک مدت سے رگوں میں پال کر ویرانیاں

دیوار پہ لرزہ ہے تو در کانپ رہا ہے
بچھڑے ہو تو اُجڑا ہُوا گھر کانپ رہا ہے

تم آنکھ کی پتلی میں چھپے سچ کو بھی دیکھو
مُجرم تو نہیں ہے وہ اگر کانپ رہا ہے

ویران ہے اِس درجہ ترے بعد مرا دِل
اس شہر میں آتے ہوئے ڈر کانپ رہا ہے

اِک میں کہ جدائی نے مجھے کر دیا ساکت
اِک تو ہے کہ صدمے سے اُدھر کانپ رہا ہے

آنگن کو پلٹ جاؤں نہ میں چھوڑ کے اُس کو
صحرا میں مرا خوابِ سفر کانپ رہا ہے

یا تو مری بینائی پہ ہے خوف مُسلط
یا نہر کے پانی میں شجر کانپ رہا ہے

بُجھنے نہیں دوں گا میں کبھی ہجر کے صدمے
دِل میں تری یادوں کا شرر کانپ رہا ہے

کسک

مجھ سے وہ اکثر کہتی تھی
میری بس اتنی خواہش ہے
کچھ ایسی پہچانی جاؤں
آپ کے نام سے جانی جاؤں

تمہارا نام لکھنے کی اِجازت چِھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں